امانتداری

حاجی محمد حنیف نمبردار آف ممیان

اخلاق فاضلہ کی جان امانتداری ہے۔اسلام کی تعلیمات کسے معلوم نہیں؟ حضور اقدسؐ کی احادیث بھی اس موضوع پر موجود ہیں اور الحمدللہ مسلم معاشرہ میں امانتداری کی روایت بڑی محفوظ و مضبوط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے امانتیں ایسے لوگوں کے سپرد کرو جوان کے اہل ہوں۔ گویا امانت داری ایک قابلیت، صلاحیت، لیاقت اور اہلیت ہے جو ہر شخص میں نہیں ہوتی۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا: منافق بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کرتا ہے تو نبھاتا نہیں اور امانت میں خیانت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ بڑی ہی معنویت اور حکمت کا حامل ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ احتیاط سے کام لے اور کسی ایسے شخص کے سپرد اپنی امانت نہ کرے جو مسلمہ طور پر امانت داری کی اہلیت کا حامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ امانت کی نزاکت کے تقاضے سے بندوں کو آگاہ فرما رہے ہیں کہ سرسری مطالعہ سے کسی بھی انسان کی سیرت کا پورا پورا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے جلد بازی یا عجلت میں امانت کسی ایسے شخص کے حوالے نہ کر دینا چاہئے جس میں صفت امانتداری، اہلیت کامل کے درجہ پر نہ ہو۔ اموال دنیا ہر کسی کو عزیز ہوتے ہیں۔ کمزور کردار کا انسان امانت میں آسانی سے شیطانی وسوسے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لئے امانت دینے والے کا فرض ہے کہ اچھی طرح چھان پھٹک کرے اور جس شخص کے حوالے امانت کرنے لگا ہو، اس کی شہرت کا اچھی طرح مطالعہ کرے اور اگر اس میں امانت کی اہلیت ہو تو امانت اس کے سپرد کرے ورنہ باز رہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی رسالت و نبوت کا اعلان کیا تو پہلے اہل مکہ سے اپنی صداقت و امانتداری کے بارے میں پوچھا اور انہوں نے جواب میں آپؐ کو صادق و امین تسلیم کیا۔ پھر آپؐ نے اعلان نبوت کیا۔ گویا صداقت و امانت نبیؐ کا خاصہ ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہے کہ ہجرت کی رات حضور اقدسؐ اپنے بدترین دشمنوں کی امانتیں لوٹانے کی خاطر سیدنا علیؓ کو مکہ میں چھوڑ گئے جس سے ثابت ہوا کہ امین، امانت کے تحفظ کے سلسلے میں کسی کے کفر یا اسلام کو نہیں دیکھا کرتا اور امانت اصل مالک کو لوٹاتا ہے۔

تقسیم ہند ہوئی تو وسیع پیمانے پر آبادی کا انتقال ہوا۔ جان و مال کے لالے پڑے تھے۔ سینکڑوں غیر مسلم اپنے اموال بطور امانت مسلمان دوستوں کے پاس رکھ گئے۔ پھر جب دونوں حکومتوں کے درمیان معاہدہ ہوا تو لوگ دونوں طرف سے اپنے اپنے دفینے اور امانتیں نکالنے اور لینے کو آئے اور گئے اور اکثر صورتوں میں لوگوں نے امانتیں لوٹائیں۔

سب سے بڑی امانت راز ہے۔ راز کو انسان اپنی ذات تک ہی محدود رکھے تو یہی اس کے تحفظ کی حقیقی ضمانت ہے۔ لیکن راز بھی ایک بوجھ ہے۔ غم بھی ایک بارگراں ہوتا ہے۔ انسان کی یہ مجبوری ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اپنے غم اور راز میں کسی کو شریک کرے تاکہ اس طرح اس کے دل پر سے بوجھ کم ہو۔ مگر بہت کم لوگ دوسرے کے راز کی حفاظت کرتے ہیں اور خاص طور پر مستورات کیا پرایا اور کیا اپنے گھر کا راز اس تاکید کے ساتھ دوسروں کو بتا دیتی ہیں کہ ''بہن! کسی کو بتانا نہیں'' مگر یہی بہن اسی تاکید کے ساتھ دوسری بہن سے کہہ دیتی ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ راز افسانہ بن کر پھیل جاتا ہے۔ راز داری دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ حکومتوں کے راز سارے بندھن توڑ کر دشمن تک چلے جاتے ہیں۔ سپہ سالاروں کی جنگی حکمت عملی تک ہر قسم کی احتیاطی تدابیر کے باوجود مخالف کمانڈر کو معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ کیسے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جیسے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ راز دان سے کہیں نہ کہیں اس بارگراں کو سنبھالنے میں غفلت ہو جاتی ہے اور وہ راز کی امانت میں خیانت بالعمد یا ارتکاب سہو کر جاتا ہے۔ اس لئے داناؤں کا کہنا ہے کہ راز تب تک راز ہے جب تک اپنے ہی پاس ہے اور جس شخص کے پاس راز کی امانت ہوتی ہے، اس کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ اگر راز افشا ہو جائے تو ہوسکتا ہے کہ کئی فساد پیدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہیں۔ فرض کیجیئے ہمیں کسی کی اخلاقی کمزوریوں کا علم ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہمیں معلوم ہو کہ فلاں فلاں لوگ فلاں فلاں جرائم خفیہ طور پر کرتے ہیں تو کیا ہمیں اس کی تشہیر کرنا چاہئے؟ نہیں! ہرگز نہیں! ہاں ہمیں اپنی اسلامی ذمہ داری جذبہ خیر خواہی کے تحت ضرور پوری کرنی چاہئے اور اس شخص کو ان جرائم سے تائب ہونے کا مشورہ دینا چاہیے اور اگر پھر بھی وہ شخص باز نہ آئے اور اس کے جرائم معاشرتی فساد اور قومی نقصانات کا باعث بننے لگ جائیں تو پھر ہمیں ایک ذمہ دار شہری کے طور پر سامنے آنا چاہئے اور اس شخص کو قانون کے حوالے کرانا چاہئے۔

پرانے وقتوں میں کوئی ظالم بادشاہ تھا۔ اس کے ظلم و تعدی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کے ماتھے پر ایک سینگ پیدا کر دیا۔ بادشاہ اپنے ایک کمرے میں محصور ہو کر رہ گیا۔ صرف ایک لونڈی کو اس کے

پاس آنے جانے کی اجازت تھی۔ وہی اس کے فرامین وزیر اعظم تک پہنچاتی اور اس کو کھانا وغیرہ پیش کرتی۔ بادشاہ نے اسے تنبیہ کر رکھی تھی کہ اگر اس نے سینگ والا قصہ کسی سے بیان کیا تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ مگر لونڈی کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ ایک طرف جان کا خطرہ اور دوسری طرف راز کی امانت کا بارِ گراں، آخر اس نے ایک تدبیر سوچی کہ راز بھی اگل دے اور جان بھی بچا لے۔ چنانچہ وہ صحرا میں نکل گئی، زمین کھودی اور گڑھے میں منہ دے کر کہا: ''شاہ شاخ دارد'' یہ کہہ کر اوپر مٹی ڈالی اور واپس آ گئی۔ اب وہ اپنے تئیں بڑا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ قصہ گو کہتا ہے کہ مدتوں بعد اس جگہ بانس پیدا ہو گئے۔ اتفاق سے چرواہوں نے وہ بانس کاٹ کر ان سے بانسریاں بنائیں اور جب ان میں پھونک ماری تو آواز آئی: ''شاہ شاخ دارد'' اور راز کوہ و صحرا کی وسعتوں میں پھیل گیا۔ ہوسکتا ہے یہ قصہ اس طرح پیش نہ آیا ہو مگر ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے کہ راز کی امانت کسی کے سپرد نہ کرنا چاہئے۔

زمانہ قدیم میں کوئی بزرگ گزرے ہیں۔ طرز حیات درویشانہ اور لباس فقیرانہ رکھتے۔ کسی امیر نے انہیں اپنے باغ میں چوکیدار رکھ لیا۔ مدتوں وہ یہ خدمت بجالاتے رہے اور امیر سے اپنا مقررہ معاوضہ لیتے رہے۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ امیر نے ان سے اپنے باغ میں سے انار شیریں لانے کو کہا۔ وہ لائے امیر نے چکھا تو انار ترش تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے شیریں انار طلب کیا تھا اور آپ ترش لے آئے۔ جائیں میٹھا انار لائیں۔ وہ گئے اور ایک اور انار توڑ لائے مگر وہ بھی کھٹا تھا۔ امیر نے جھنجلا کر کہا کہ آپ مدت سے اس باغ میں چوکیداری کر رہے ہیں مگر آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ کون سے پیڑ کے انار میٹھے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نگرانی و نگہبانی پر مامور تھا نہ کہ پھل چکھنے پر۔ امیر نے کہا کہ تمہاری امانتداری سے معلوم ہوتا ہے کہ تم فلاں بزرگ ہو۔ یہ سننا تھا کہ وہ وہاں سے چلے گئے۔ نکتہ یہ ہے کہ باغ ان کے پاس امانت تھا۔ فریضہ نگہبانی بجالاتے رہے مگر پھل چکھ کر امانت میں خیانت نہیں کی۔

گورنمنٹ ایم سی اسلامیہ ہائی سکول جہلم میں مولانا مولوی خادم احمد صاحب عربی کے مدرس اور بلند پایہ محقق و منتظم تھے۔ مدتوں ہاسٹل کے سپرنٹنڈنٹ رہے، لڑکے اپنا اپنا جیب خرچ ان کے پاس رکھ چھوڑتے اور حسب ضرورت دوران ماہ ان سے لیتے رہتے۔ مولانا موصوف کاغذ کے لفافے پر نام طالب علم لکھ کر اس کی امانت اس میں ڈال دیتے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ کسی ساتھی مدرس کو ریز گاری کی شدید ضرورت ہوئی اور وہ مولانا سے درخواست گزار ہوا کہ امانتوں میں سے ریز گاری دے دیں۔ مگر وہ ایسا ہرگز نہ کرتے اور فرماتے کہ امانت کے وہی سکے اور روپے طالب علم کو دینا ان کا فرض ہے جو انہوں نے ان کے حوالے کئے

تھے اور اگر وہ ان میں سے ریز گاری دیں گے تو خیانت کے مرتکب ہوں گے۔

بحکم رسول اللہ ﷺ، منافق خائن ہوتا ہے۔ میں نے اس فرمان مبارک پر غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ منافق طبعاً اور خلقاً خائن ہوتا ہے۔ وہ اولین خیانت اپنے ضمیر سے کرتا ہے۔ وہ دل سے جانتا ہے کہ اصل ایمان کیا ہے مگر اس کے قبول و اظہار و اعلان میں تردد رہتا ہے۔ اصل میں گڑ بڑ کرنا یا اس میں کھوٹ ملانا ہی تو خیانت ہے۔ وہ اپنے ایمان میں جاننے بوجھنے کے باوجود گڑ بڑ کرتا ہے۔ ایمان و ضمیر بندے کے جسم میں اللہ کی امانت ہے جو پیدائشی طور پر اس کو ودیعت کئے گئے ہیں۔ ایمان کے بارے میں عالم ارواح میں باندھا گیا عہد اس کی خلقت کا جزو ہے جسے وہ توڑتا ہے یہ اس کی دوسری پہچان ہے۔ جھوٹ بولنا اس کی مجبوری ہے کیونکہ اخفائے حقیقت کیلئے اسے بہت کچھ کہنا پڑتا ہے۔ جب وہ قبول حق سے انکار کر رہا ہوتا ہے تو دراصل اپنے ضمیر کے خلاف بول رہا ہوتا ہے۔ اس کا ضمیر اسے اندر سے کچوکے لگا رہا ہوتا ہے مگر وہ مسلسل انکار کئے جاتا ہے اور انکار کے واسطے جو جو دلائل وہ گھڑ کر پیش کر رہا ہوتا ہے، وہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ دروغ گوئی اس کی تیسری پہچان ہے۔ دیکھ لیں ہمارے نبی ﷺ نے تین الفاظ میں معانی کے کیا سمندر سمو کر رکھ دیئے ہیں۔

خیانت اور بددیانتی دو جڑواں قباحتیں ہیں۔ بددیانتی ایک وسیع اصطلاح ہے۔ جو ہر اس برائی پر لاگو ہوتی ہے جہاں اصل میں گڑ بڑ کی جائے گی۔ دودھ اصل ہے، اس میں پانی ملانا بددیانتی ہے۔ سونا اصل ہے، اس میں کھوٹ ملانا بددیانتی ہے، پیغام اصل ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی کرنا بددیانتی ہے۔ قرآن و حدیث اصل ہے، یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی امانت ہے جو امت کو منتقل کی گئی ہے۔ اب اس پیغام الٰہیہ میں کوئی کمی بیشی کرنا، علمی بددیانتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت ہے۔ بندے، بندوں کے اموال و امانات میں کمی بیشی کریں تو شور مچتا ہے۔ اسی طرح مذاہب میں خیانت فساد کا باعث ہے۔ خائن، خیانت کے ذریعے جو مفاد اٹھاتا ہے، وہ تو صرف اس کی ذات تک محدود رہتا ہے مگر اس کے معاشرتی نقصانات بڑے وسیع ہوتے ہیں۔ کاروبار اور تجارت کی دنیا تو سراسر اعتماد اور ساکھ پر چلتی ہے۔ یہاں جب خیانت در آتی ہے، تو بازار دنیا کے اعتماد پر ضرب لگتی ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا بعض بندے نماز میں چوری کرتے ہیں تو صحابہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ نماز میں کیسی چوری؟ تو آپؐ نے فرمایا ارکان نماز کا ٹھیک ٹھیک نہ بجا لانا نماز میں چوری کرنا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں خیانت ہے۔ میں یہ دیکھ کر کڑھتا رہتا ہوں کہ بندے جب مسجد میں آ ہی گئے ہیں تو پھر حق نماز میں کیوں گڑ بڑ کرتے ہیں۔ اگر وہ چار رکعت کی ادائیگی

اطمینان سے کرتے تو زیادہ سے زیادہ آٹھ دس منٹ لگ جاتے مگر وہ دو تین منٹ میں فارغ ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور میرے خیال میں وہ سراسر خسارے میں رہتے ہیں۔ وہ اس بات کو سمجھیں تو اپنی اس غلط روش کو درست کر سکتے ہیں۔ وہ چند منٹ بچا کر سب کچھ ضائع کر جاتے ہیں۔ اور اگر چند منٹ مزید خرچ کر لیں تو جب کچھ کما لیں گے اور یہ سودا فائدے کا ہے۔ مصروفیات تو جیتے جی انسان کے ساتھ لگی ہیں۔ انہی میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرنا ہے۔ اذان سننے کے بعد کاروبار میں مصروف رہنا اور پھر ایسے وقت میں نماز ادا کرنا، جب لذت نماز جاتی رہی تو کیا حاصل؟ ایک کام جب کرنا ہی ٹھہرا تو کیوں نہ ٹھیک وقت پر کما حقہ کر لیا جائے۔ پنجابی کا محاورہ ہے: ویلے دی نماز، کویلے دیاں ٹکراں، اگیتی اور پچھیتی کاشت کا فرق سب کو معلوم ہے۔ اوقات وارکان نماز میں کوتاہی پرلے درجے کی خیانت ہے اور پھر یہ بھی منافق کی نشانی ہے کہ نماز میں کسل سے اور ذکر میں کسر سے کام لیتا ہے۔ حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی خیانت ہی تو ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ بندے غور کر لیں کہ اس حق کی ادائیگی میں سرے سے غفلت کرنا، وقت بے وقت پڑھنا، بغیر جماعت کے پڑھنا، وضو ٹھیک سے نہ کرنا اور قیام، قعدہ، رکوع وسجود پوری طرح نہ کرنا سب خیانت کے حکم میں داخل ہے اور خیانت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ! حدیث شریف میں ایسی نماز کا ذکر بھی آتا ہے جو اپنے پڑھنے والے کے واسطے بددعا کرتی ہے۔ پھر وہ نماز بھی ہے جو پڑھنے والے کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔ میرے خیال میں یہ وہی نمازیں ہوں گی جن میں چوری اور خیانت کی جاتی ہے۔

فرائض منصبی کی بجا آوری کے صلے میں سرکاری اہل کاروں کو معاوضہ ملتا ہے۔ اس ضمن میں یہ یاد رہنا چاہئے کہ سرکاری فرائض، سرکاری اختیارات کے استعمال سے ادا ہوتے ہیں۔ یہ اختیارات، ریاست کی امانت ہیں۔ ان کے غلط استعمال سے خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ سرکاری قواعد وضوابط کے تحت سرکاری اختیارات کو بروئے کار لانا، امانتداری ہے۔ کوئی بھی شخص جو اپنی سرکاری حیثیت میں ان اختیارات کو اپنے ذاتی مفاد کیلئے کام میں لاتا ہے۔ وہ خیانت فی الاختیارات کرتا ہے۔ دیہات میں پٹواری اور مدرس دونوں ہی رہائش رکھتے ہیں۔ مگر اہل دیہہ پٹواری کی خدمت میں ہدیہ تحفہ اور اس کے جانوروں کیلئے چارہ وغیرہ پیش کرتے رہتے ہیں جبکہ مدرس کو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ پٹواری اپنے سرکاری اختیارات کے تحت یہ سب خدمت لیتا ہے جبکہ مدرس کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ مسافر کو تو کوئی پانی بھی نہیں پوچھتا جبکہ بااثر لوگ سرکاری اہل کاروں کو دوڑ دوڑ کر کھانے کھلاتے ہیں اور اسے اپنا اخلاقی فرض کہتے ہیں کہ مہمان کی خدمت اسلام کا حکم ہے۔ مگر مسافر بھی تو مہمان ہی تھا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہؐ کے ایک صحابیؓ زکوٰۃ وصول کرنے کسی علاقے میں گئے۔ واپسی پر مال زکوٰۃ حضور اقدسؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر چند اشیاء دکھائیں کہ یہ انہیں بطور ہدیہ دی گئی ہیں۔ آپؐ نے صحابیؓ سے پوچھا کہ اگر انہیں اس علاقے میں محض زکوٰۃ کے اختیارات کے ساتھ نہ بھیجا گیا ہوتا تو کیا پھر بھی یہ ہدایا ان کو ملتے؟ اور یہ کہہ کر ان سے وہ تحائف لے کر بیت المال میں داخل کیے۔ آپ ان چیزوں کو رشوت کہہ لیں یا خیانت فی الاختیارات کیوں کہ رشوت اختیارات میں خیانت کر کے ہی ملتی ہے۔ جو لوگ مہمان داری کے نام پر سرکاری عملہ کے دوروں پر ان کی ضیافتیں کرتے ہیں اور اسے اپنا اخلاقی فرض گردانتے ہیں، دراصل اس میزبانی کے ذریعے، ان سے ناجائز مراعات پانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ رہا اخلاقی فرض تو ان کے دروازے سے سائل کو دھکے اور فقیر کو گالیاں ملتی ہیں۔ رؤسائے علاقہ، سیاسی لیڈروں کی دعوتوں پر لاکھوں روپے خرچ کر ڈالتے ہیں مگر انفاق فی سبیل اللہ کا سوال پیدا ہو تو منہ چھپا کر کھسک جاتے ہیں۔

آج خیانت کا یہ حال ہو گیا کہ غریب لوگ اگر کسی پڑوسی کی فریج میں کوئی خوردنی شے رکھ دیں تو وہ بھی چٹ کر لی جاتی ہے اور طلب کرنے پر ہنس کر ٹال دیا جاتا ہے۔ ایسے میں غریب کی مجبوری دیدنی ہوتی ہے۔ وعدہ اور امانت دو ایسے امور ہیں جن کی باز پرس میدان حشر میں نہایت سختی سے کی جائے گی۔ مومن کی شان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ عہد نبھاتا اور امانت کی حفاظت کرتا اور من وعن عند الطلب مالک کو لوٹاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ کسی بندے کو کسی سے کچھ لینا تھا۔ مگر وہ کہیں چلا گیا اور اپنا حق لینے نہ آیا۔ دینے والا کوئی مردِ مومن تھا۔ اس نے اس مال سے اس کی ایک بکری خریدی۔ بکری کی نسل بڑھتی رہی۔ کئی سال بعد وہ بندہ اس کے پاس آیا اور اپنا حق یاد دلایا۔ اس نے بکریوں کے ریوڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ یہ تمہارا مال ہے، لے جاؤ۔ وہ سمجھا شاید اسے ٹالنے کیلئے اس سے مذاق کیا گیا ہے۔ مگر وہ ریوڑ واقعی اسے دے دیا گیا اور ساتھ اصل بات بھی بتائی گئی۔

کہاں یہ امانت داری اور کہاں یہ حال کہ ملکی خزانے میں برسر اقتدار طبقات بدیہی خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سرکاری وسائل کا لوٹنا تو گویا شیر مادر ہے۔ مشہور تابعی امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ اس باب میں کتنے محتاط تھے۔ اس واقعہ سے اندازہ کر لیں کہ گھر میں اگر سرکاری کام کرتے تو بیت المال کا چراغ جلاتے اور جب یہ کام ختم ہو جاتا تو چراغ گل کر دیتے کہ اگر انہوں نے اپنے گھر کو منور رکھنے کیلئے یہ چراغ روشن رکھا تو بیت المال میں خیانت ہو گی اور آج ہمارے صاحبان اقتدار سرکاری خزانے کی تاخت و تاراج

کے بعد وہ قرضے بھی معاف کرا لیتے ہیں جو انہوں نے خزانے سے لے رکھے ہوتے ہیں۔ گویا وہ ملک کے سب سے بڑے مسکین ہوں۔ بادشاہ انوشیرواں کہیں شکار بھون کر کھانے لگا تو معلوم ہوا کہ نمک ندارد، وزیر نے پیادے دوڑائے کہ قریبی گاؤں سے نمک لے آئیں۔ بادشاہ نے کہا کہ انہیں کچھ رقم بھی دے دو کہ قیمت ادا کر کے نمک لائیں۔ وزیر نے کہا کہ نمک تو جنس ارزاں ہے۔ مفت میں ہی لے آئیں گے۔ اس پر بادشاہ نے کہا، ظلم کی ابتدا ہمیشہ حقیر معاملات میں ناانصافی سے ہوتی ہے۔ ہمارے کارندے اگر آج نمک مفت لے آئیں گے تو کل کلاں اہل دیہہ کے مرغ ہڑپ کر جائیں گے۔ مگر ہمارے حکمرانوں کی لغت میں امانتداری کا لفظ ہی موجود نہیں ہے۔ سرکاری خزانہ، ان کے پاس عوام کی امانت ہے مگر اس امانت میں اس دھڑلے سے خیانت بلکہ خیانت مجرانہ کرتے ہیں کہ گویا وہ صرف خزانہ لوٹنے کیلئے ہی برسراقتدار آئے ہیں۔ **الناس علی دین ملوکھم** کے بموجب حکمرانوں کی دیکھا دیکھی ہر شخص پر امانت میں خیانت کرنے پر دلیر ہے اور کوئی کسی کو پوچھنے والا نہیں رہا۔

اعوان پور (گاہوڑہ) تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم میں سیرت النبی ﷺ کانفرنس

مورخہ 7 دسمبر 2003ء بروز اتوار بعد نماز ظہر سے رات گئے تک اعوان پور میں عظیم الشان کانفرنس زیرِ صدارت حافظ عبدالحمید عامر صاحب رئیس جامعہ علوم اثریہ جہلم منعقد ہوئی۔ مہمانان خصوصی جناب محمود مرزا جہلمی صاحب چیف ایڈیٹر ہفت روزہ صدائے مسلم جہلم اور چوہدری محمد اسلم مارتھ ناظم یونین کونسل پنڈی سید پور تھے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض حکیم عبدالخالق راشدی صاحب نے سرانجام دیئے۔ قاری محمد یوسف صاحب قصوری کی تلاوت کلام مجید سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ بعد از تلاوت مولانا عبداللطیف شہزاد صاحب خطیب جامع مسجد اہلحدیث ٹھل نے اپنے نہایت ہی احسن انداز میں نعتیہ کلام پیش کیا۔ بعدازاں مولانا محمد یونس آزاد صاحب، مولانا محمد نواز چیمہ صاحب، مولانا رضاء اللہ صاحب، مولانا احمد اللہ صاحب، مولانا محمد عارف صاحب اور مولانا عبداللطیف شہزاد صاحب نے کانفرنس سے خطاب کیا۔ آخر میں یہ عظیم الشان کانفرنس حافظ عبدالحمید عامر صاحب کے دعائیہ کلمات سے تکمیل پذیر ہوئی۔